بدیہیات قرآن
حکمتیں اور فائدے

(۴)

از: مولانا محمد عارف مبارکپوری
شارجہ، متحدہ عرب امارات

۱- فرمان باری: أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون (بقرہ:۱۵۹)

''ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے''۔

سوال یہ ہے کہ فعل (يلعنهم) مکرر کیوں لایا گیا جبکہ حرف عطف کے ذریعہ اس تکرار سے بچا جاسکتا تھا؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

اوّل: چوں کہ دونوں لعنتیں الگ الگ ہیں؛ اس لیے فعل میں تکرار ہے۔ اللہ کی لعنت سے مراد، رحمت سے دور کرنا ہے اور انسان کی لعنت سے مراد، بددعا دینا ہے۔ اس کے برعکس آیت کریمہ (ان الله وملائكته يصلون على النبى) (احزاب:۵۶)

''اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر''

میں فعل میں تکرار نہیں اس لیے کہ تحقیق یہ ہے کہ اللہ کی ''صلاۃ'' اور فرشتوں کی ''صلاۃ'' ایک ہے اور اس سے مراد ذکر خیر ہے۔ یہ قول ابن عاشور اور آلوسی نے نقل کیا ہے۔(۱)

دوم: اس خبر کو دو مستقل جملوں کی شکل میں لانے کی وجہ تاکید اور تعظیم ہے۔ یہ قول ابوحیان نے نقل کیا ہے۔(۲)

۵- فرمان باری: والهكم اله واحد لا اله الا هو (بقرہ:۱۶۳)

''اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں اس کے سوا''

اس آیت میں دو مقام پر بدیہیات ہیں:

مقام اوّل: لفظ (الہ) کو دوبارلانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ایک کافی تھا؟

ابن عاشوراس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''یہ اس لیے ہے تاکہ اس پر ''واحد'' کی صفت جاری کی جاسکے، مقصد یوں کہنا تھا: (الھکم واحد) مبتدااور خبر کے بیچ میں لفظ ''الہ'' کولایا گیا تاکہ مبتدا کے اندر الوہیت کے مفہوم کوراسخ کیا جاسکے۔ جیسے تم کہتے ہو عالم المدینة عالم فائق (مدینہ کے عالم نمایاں عالم ہیں)۔ نیز اس لیے تاکہ اس لفظ کا ذکر بھی آجائے، جو دراصل نعت (صفت) کی شکل میں آنا چاہیے تھا، جس سے یہ فائدہ حاصل ہو کہ یہ موصوف کے لیے ثابت وصف ہے، اس لیے کہ یہ اس کی نعت ہوچکی ہے؛ کیوں کہ نعت میں اصل یہ ہے کہ وہ وصف ثابت ہو، اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ وصف حادث ہو۔ اور یہ فصیح کلام میں ایک سلیس استعمال ہے کہ اسم یا فعل کو دوبارہ ذکر کیا جائے تاکہ اس پر وصف یا متعلق قائم ہے، جیسے (الھا واحدا) اور جیسے (واذا مروا باللغو مروا کراما) (فرقان:۷۲) ''اور جب گذرتے ہیں کھیل کی باتوں پر تو نکل جائیں بزرگانہ'' (۳)

مقام دوم: (والھکم الہ واحد) کہنے کے بعد (لا الہ الا ھو) کہنے میں کیا حکمت ہے جب کہ اوّل الذکر، دوسرے کو مستلزم ہے؛ کیوں کہ جس کے لیے وحدانیت ثابت ہوگی اس کے لیے، الوہیت بھی ثابت ہو۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

اوّل: جب (والھکم الہ واحد) کہا تو کسی کے ذہن میں یہ خیال گذر سکتا ہے کہ مان لو ہمارا معبود ایک ہے، ہوسکتا ہے دوسروں کا معبود ہمارے معبود سے الگ ہو؟ اس وہم کو ختم کرنے کے لیے توحید مطلق کو بیان کرنا ضروری تھا، اس لیے فرمایا (لا الہ الا ھو)، اس لیے کہ جب ہم کہتے ہیں ''لا رجل'' (کوئی مرد نہیں) تو اس کا تقاضا ہے کہ اس ماہیت کی ہی نفی ہو اور جب اس ماہیت کی نفی ہوگئی تو اس کے ہر ہر فرد کی نفی اور انکار ہوگیا، اس لیے کہ اگر اس ماہیت کا ایک فرد بھی پایا گیا تو اس کے پائے جانے سے اس ماہیت کا وجود ہوگیا اور یہ لفظ کے مدلول (ماہیت کی نفی اور انکار) سے متصادم ہے، لہٰذا یہ ثابت ہے کہ لا رجل (کوئی مرد نہیں) عام اور ہر ہر فرد کو شامل نفی وانکار کا متقاضی ہے، اب اس کے بعد جب الا زیدا کہا جائے تو اس سے حقیقی مکمل توحید

مفہوم ہوگی۔ یہ قول رازی اور ابوحیان نے نقل کیا ہے۔(۴)

دوم: (لا اله الا هو) وحدانیت کے مفہوم کی تاکید اور اللہ کی ذات کے علاوہ سے الوہیت کی نفی ہے۔ یہ جملہ اس لیے آیا ہے کہ معبود کے ہر فرد کی نفی ہو اور پھر اس مفہوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں منحصر کردے۔ لہٰذا پہلی آیت سے اللہ کی طرف وحدانیت کی نسبت معلوم ہوئی اور دوسری آیت سے الوہیت کو لفظ صریح کے ذریعہ، اللہ کی ذات میں منحصر کرنے کا علم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ جس کے لیے وحدانیت ثابت ہوگی اسی کے لیے الوہیت ثابت ہوگی۔ یہ قول ابن عاشور، ابوسعود اور آلوسی نے ذکر کیا ہے۔(۵)

۶- فرمان باری: یا أیها الناس کلوا مما فی الأرض حلالا طیبا (بقرہ:۱۶۸)

''اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ''۔

سوال یہ ہے کہ حلال اور طیب ایک ہی معنی میں ہیں پھر حلال کی صفت ''طیب'' لانے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

اوّل: یہ تاکید کے لیے ہے؛ اس لیے کہ بہ قول امام مالک اس کا معنی: جو شریعت کی نظر میں لذیذ ہو، اس کو مکروہ اور ناپسند نہ سمجھے یا جو شریعت کی نظر میں شبہ سے پاک ہو۔ اور حلال کو اس سے متصف کرنے کا فائدہ، حکم کے عموم کو بیان کرنا ہے جیسے کہ فرمان باری ہے (وما من دابة فی الارض) (انعام:۸۳) ''اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر''۔

اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے، جنھوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام کرلیا؛ اس لیے کہ جس نکرہ کی کوئی عام صفت آجائے اس میں عمومیت اور شمول پیدا ہوجاتا ہے، نکرہ غیر موصوفہ کی یہ حیثیت نہیں۔ یہ قول آلوسی اور ابوحیان نے نقل کیا ہے۔(۶)

دوم: یہ تخصیص کے لیے ہے؛ اس لیے کہ اس سے مراد بہ قول امام شافعی، صحیح مزاج سے پیدا ہونے والی درست شہوت، جس کو طیب اور عمدہ قرار دے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جس کو یہ، طیب اور پاک نہ سمجھے وہ یا تو غیر مشتبہ حلال ہے لہٰذا ممنوع نہیں ورنہ وہ ''حلال'' کی قید سے نکل گئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''حلال'' سے مراد، شریعت نے جس کے حلال ہونے کی تصریح کی ہو (اور اس سے مراد، جس کے بارے میں نص نہ ہو) لیکن طبیعت مستقیمہ اس کو لذیذ سمجھے۔ اور اس کو اس کی رغبت اور خواہش ہو۔ اور شریعت میں اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو مثلاً

نشہ آور یا ضرر رسا ہونا۔ اس مقام کا تقاضا ہے کہ یہ قید شہوت فاسدہ کو ابھارنے والی چیز کو خارج کرنے کے لیے قید احترازی نہیں؛ بلکہ اس لیے ہے کہ یہ اس کے مفہوم میں داخل ہے، کیوں کہ طیب اور لذیذ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو شہوت مستقیمہ لذیذ قرار دے۔ اور اس صورت میں اس کا فائدہ، اس چیز کو مباح ہونے کو بہ صراحت بیان کرنا ہے، جسے ان لوگوں نے حرام کر رکھا ہے۔ یہ قول آلوسی کا ہے، ابوحیان رازی اور ابن عاشور نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ (۷)

سوم: اس سے مراد مباح ہے، اور جہاں تک تکرار لازم آنے کی بات ہے تو ہمیں تسلیم نہیں؛ اس لیے کہ ''حلالاً'' سے مراد جس کی جنس حلال ہو اور ''طیبا'' سے مراد جس سے کسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو، کیوں کہ حرام خوری، گو کہ کھانے والا اس کو طیب اور عمدہ سمجھے؛ لیکن اس حیثیت سے کہ اس کا انجام سزا کاٹنا ہے، ضرر رساں ہوگی، طیب اور عمدہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما، انما یأکلون فی بطونهم نارا. (نساء:۱۰)

''جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں''۔

یہ قول رازی نے نقل کیا ہے، ابن عاشور نے اس پر نکیر کی ہے۔ (۸)

۷- فرمان باری: أولئك ما یأکلون فی بطونهم الا النار (بقرہ:۱۷۴)

''وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ''۔

یہ بدیہی بات ہے کہ انسان پیٹ ہی میں کھاتا ہے، پھر اس کے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے جب کہ یہ بداہتاً معلوم ہے؟

اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

اوّل: یہاں پر ''بطن'' (پیٹ) کا ذکر مزید وضاحت اور مجاز کے وہم وخیال کو ختم کرنے کے لیے ہے؛ اس لیے کہ اگر آدمی اپنا مال تباہ وبرباد کردے تو بھی کہا جاتا ہے: أکل فلان ماله (وہ اپنا مال کھا گیا) یہ قول طبری، رازی اور ابوحیان نے نقل کیا ہے۔ (۹)

دوم: یہ بھر پیٹ کھانے سے کنایہ ہے، کہا جاتا ہے: أکل فلان فی بطنه (اس نے بھر پیٹ کھایا) اور أکل فی بعض بطنه (اس نے آدھا پیٹ کھایا)۔ یہ قول زمخشری، رازی، ابوحیان، اور ابوسعود اور آلوسی نے نقل کیا ہے۔ (۱۰)

سوم: یہ تاکید کے لیے ہے؛ کیوں کہ بداہتاً معلوم ہے کہ کھانا پیٹ ہی میں ہوتا ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے: (ولا طائر یطیر بجناحیه) اس کو طبری، ابوحیان اور ابوسعود نے نقل کیا ہے۔

آلوسی نے اس پر نکیر کی ہے۔(۱۱)

۸- فرمان باری: یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر (بقرہ:۱۸۵)

''اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی، اور نہیں چاہتا تم پر دشواری''۔

یہاں پر آیت کا پہلا ٹکڑا (یرید اللّٰہ بکم الیسر) دوسرے ٹکڑے (و لا یرید بکم العسر) سے بے نیاز کرتا ہے؛ اس لیے کہ آسانی چاہنا، دشواری نہ چاہنے کو مستلزم ہے۔ لہٰذا دوسرے جزو کو ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کے چند جواب دیے گئے ہیں:

اوّل: تاکید کے لیے ہے۔ یہ قول ابوحیان اور ابن عاشور نے نقل کیا ہے۔(۱۲)

دوم: یہ آیت (یرید اللّٰہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر) ماسبق کے سارے مضمون یعنی فرمان باری "کتب علیکم الصیام" (آیت:۱۸۳) سے یہاں تک، کی تعلیل وتوجیہ ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ روزہ کی مشروعیت گو بہ ظاہر مشقت اور دشوار معلوم ہوتی ہے، لیکن اس میں جس قدر مصلحتیں پنہاں ہیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے آسانی چاہتا ہے یعنی بعض دوسرے مذاہب والوں نے ریاضت کے لیے جو خود کو بے جا مشقت میں ڈالا، اس سے ہٹ کر، نفس کی ریاضت کا آسان طریقہ بتادیا۔(۱۳)

۹- فرمان باری: فمن کان منکم مریضاً أو علی سفر فعدة من أیام أخر (بقرہ:۱۸۵)

''اور جو کوئی بیمار ہو یا مسافر کو گنتی پوری کرنی چاہیے اور دنوں سے''۔

اس آیت کریمہ کے دوبارہ ذکر کرنے میں کیا فائدہ ہے جب کہ اسکی نظیر آیت (فمن کان منکم مریضا) (بقرہ:۱۸۴) پہلے آچکی ہے اور مریض ومسافر کا حکم معلوم ہو چکا ہے؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں:

اوّل: چوں کہ پہلی (کتب علیکم الصیام) (بقرہ:۱۸۳) میں روزہ کی فرضیت، اس اختیار کے ساتھ تھی کہ آدمی چاہے روزہ رکھے یا فدیہ میں کھانا کھلائے۔ اور اس آیت میں بہ صراحت مریض اور مسافر سے فرضیت ساقط تھی۔ اس کے بعد آیت (شھر رمضان) سے سابقہ آیت کا حکم منسوخ ہوگیا، اور روزہ رکھنا ہی فرض ہوگیا تو اس سے یہ اندیشہ تھا کہ آدمی یہ نہ سمجھے کہ پہلی آیت میں جن لوگوں کے لیے رخصت تھی وہ بھی منسوخ ہوگئی۔ حتی کہ مریض اور مسافر پر بھی روزہ فرض ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اس حکم کو دوبارہ ذکر کردیا گیا تاکہ بہ صراحت، اس رخصت کے باقی رہنے

کا حکم معلوم ہوجائے۔ اور صرف قدرت، حضر اور صحت کے ساتھ ہی کھانا کھلانے کی رخصت منسوخ ہوئی ہے۔ یہ توجیہ ابن عاشور، بیضاوی اور ابوسعود نے ذکر کی ہے۔ (۱۴)

یہ توجیہ اس صورت میں ہے کہ موخرالذکر آیت کو، اول الذکر آیت کے لیے ناسخ مانا جائے؛ لیکن اگر ہم یہ مان کر چلیں کہ دونوں آیتیں بیک وقت نازل ہوئی ہیں، تو اس جگہ پر اس آیت کے دوبارہ ذکر کرنے کا خاص مقصود یہی ٹکڑا (ومن کان منکم مریضا) ہے؛ اس لیے کہ اس کا ذکر روزہ کے دنوں کی تعیین کے بعد آیا ہے، جب کہ پہلی آیت میں سامعین کی رعایت میں قبل از وقت رخصت کی اطلاع دینا ہے۔ یہ توجیہ ابن عاشور نے نقل کی ہے۔ (۱۵)

دوم: اس کا اعادہ تخصیص کی خاطر ہے۔ اس کی توضیح (بہ قول آلوسی) یہ ہے کہ (شھد) ''شہود'' سے ماخوذ ہے، جو ذاتی یا علمی طور پر حضور و وجود کو بتاتا ہے، اور ایک قول کے مطابق یہاں پر دونوں کے اعتبار سے شہود مراد ہے۔ لفظ (الشھر) پہلے معنی کے لحاظ سے مفعول فیہ ہے، اس کا مفعول بہ ترک کردیا گیا ہے، اس لیے کہ اس سے کوئی غرض وابستہ نہیں۔ لہٰذا یہاں ''بلد'' یا ''مصر'' کو مقدر ماننا بلاوجہ ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے لفظ (الشھر) مفعول بہ ہے، اس کا مضاف محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: ھلال الشھر (اور بہ ہر دو تقدیر ''الف لام'' عہد کا ہے) اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو اس مہینہ میں حاضر رہا یا: جس کو اس مہینہ کے چاند کا علم یقینی ہوگیا وہ روزہ رکھے۔ یعنی جس کو چاند میں شبہ ہو اس پر روزہ فرض نہیں۔ مضاف مقدر ماننے کی وجہ یہ ہے کہ پورے ماہ کا علم تو اس وقت ہی ہوگا جب مہینہ گذر جائے اور جب مہینہ گذر گیا تو روزہ کے فرض ہونے کا کوئی مطلب نہیں۔ لہٰذا اس دوسرے معنی کے اعتبار سے آیت (فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدة من أیام أخر) مریض و مسافر دونوں کے لحاظ سے تخصیص پیدا کرنے والی ہوئی۔ اور پہلے معنی کے اعتبار سے مریض کے لحاظ سے تخصیص پیدا کرنے والی ہے، مسافر کے لحاظ سے نہیں۔ اور اس صورت میں اس کا تکرار اسی تخصیص کے لیے ہے۔ یہ قول بیضاوی اور ابوسعود نے نقل کیا ہے۔ (۱۶)

سوم: اعادہ کی وجہ اس وہم کا ازالہ ہے کہ اوّل الذکر آیت (فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ) سے منسوخ ہے، جبکہ ''شہد'' تحقق و علم کے معنی میں ہو، نیز رخصت کے حکم کو زیادہ پرزور انداز میں بیان کرنا اور (فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ) کی مزید توضیح ہے۔ اس کو ابن عاشور نے نقل کیا ہے۔ (۱۷)

۱۰- فرمان باری: فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی (بقرہ:۱۸۶)

''تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر''۔

سوال یہ ہے کہ اگر استجابت سے مراد، دل اور زبان سے ہے تو یہی ایمان ہے، پھر (ولیؤمنوا بی) تکرار محض ہے۔اس میں کیا حکمت ہے؟اس کے چار جواب دیے گئے ہیں:

اوّل: استجابت سے مراد اللہ کے حکم کو ماننا ہے اور یہ عطف مغایر ہے؛ اس لیے کہ امر اوّل سے مراد: فعل ہے اور امر دوم سے مراد: اس پر قائم ودائم رہنا ہے۔ یہ جواب رازی، ابن عاشور، ابوحیان اور آلوسی نے نقل کیا ہے۔(۱۸)

دوم: استجابت سے مراد عام ہے جو دعوتِ ایمان قبول کرنے کو بھی شامل ہے،اس کے بعد اہتمام کی وجہ سے (ولیؤمنوا بی) کو ذکر کیا گیا جو عام پر خاص کا عطف ہے۔ یہ جواب ابن عاشور نے نقل کیا ہے۔(۱۹)

سوم: استجابت سے مراد فرمابرداری اور سرِتسلیم خم کرنا ہے اور ایمان ایک دلی کیفیت کا نام ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کو نورِ ایمانی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نیکیاں اور عبادت کرے۔ یہ جواب امام رازی نے نقل کیا ہے۔(۲۰)

چہارم: دوسرے ٹکڑے سے مراد ازسرِنو ایمان لانا ہے۔اس قول کو ابوحیان نے نقل کرنے کے بعد اسے مستبعد قرار دیا ہے۔اسلئے کہ ابتدائی آیت متقاضی ہے کہ یہ لوگ اہل ایمان تھے۔(۲۱)

پنجم: دوسرے ٹکڑے سے مراد اس بات کا ایمان ویقین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے۔ یہ قول ابوحیان نے عطاء خراسانی سے منسوب کیا ہے۔(۲۲)

۱۱- فرمان باری: ولا تأکلوا أموال الناس بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتأکلوا فریقا من أموال الناس بالاثم وأنتم تعلمون. (بقرہ:۱۸۸)

''اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق، اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھاجاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔''

سوال یہ ہے کہ ناحق مال کھانے کی ممانعت میں یہ بھی داخل ہے کہ حاکموں کے پاس پہنچا کر لوگوں کا مال ناحق کھایا جائے۔تو الگ سے اسے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ سابقہ ممانعت اس کو شامل تھی؟

ابن عاشور اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ناحق مال کھانے کی ممانعت ذکر کی گئی جو اس صورت کو بھی شامل تھی؛ لیکن خاص طور پر اس کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ سخت گھناؤنی ہے، اور اس میں بہت سے حرام کام آجاتے ہیں۔ نیز یہ بتانے کے لیے کہ رشوت دینے والا بھی گنہگار ہے حالاں کہ اس نے خود ناحق مال نہیں کھایا ہے؛ بلکہ دوسرے کو کھلایا ہے۔(۲۳)

❁ ❁ ❁

حواشی:

(۱) ابن عاشور۲/۶۳؛ آلوسی۲/۲۷۔
(۲) ابوحیان تفسیر آیت۔
(۳) ابن عاشور۲/۵۰۔
(۴) رازی۲/۱۹۲؛ ابوحیان تفسیر آیت۔
(۵) ابن عاشور۲/۴/۷؛ ابوسعود۱/۱۸۴؛ آلوسی۲/۲۹۔
(۶) آلوسی۲/۳۹؛ ابوحیان تفسیر آیت۔
(۷) آلوسی۲/۳۸، ۴۰؛ ابوحیان تفسیر آیت؛ رازی۵/۱۸۵؛ ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۸) رازی۵/۱۸۵؛ ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۹) تفسیر طبری۲/۵۳؛ رازی۵/۲۰۵؛ ابوحیان تفسیر آیت۔
(۱۰) زمخشری تفسیر آیت؛ رازی۵/۲۰۵؛ ابوحیان تفسیر آیت؛ ابوسعود۱/۱۹۵؛ آلوسی۲/۴۳۔
(۱۱) طبری تفسیر آیت؛ ابوحیان تفسیر آیت؛ ابوسعود۱/۱۹۵؛ آلوسی۲/۴۳۔
(۱۲) ابوحیان تفسیر آیت، ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۱۳) ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۱۴) ابن عاشور تفسیر آیت، بیضاوی۱/۴۶۴، ابوسعود۲/۲۰۲۔
(۱۵) ابن عاشور تفسیر آیت۔
(۱۶) آلوسی۲/۶۲؛ بیضاوی۱/۴۶۴، ابوسعود۲/۲۰۲۔
(۱۷) ابن عاشور تفسیر آیت۔

❁ ❁ ❁